21

اللہ تعالیٰ جن لوگوں کے سپرد خدمتِ دین کرتا ہے وہی اس کام کے لیے سب سے زیادہ موزوں ہوتے ہیں

ہمارے جدید مرکز ربوہ کے قیام کا سہرا یقیناً نواب محمد الدین صاحب کے سر ہے

(فرمودہ 15 جولائی 1949ء بمقام پارک ہاؤس کوئٹہ)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''یہ ایک عام اور مشہور بات ہے کہ ہر موقع کے لیے اُس کے مناسبِ حال ایک خاص بات ہوتی ہے اور ہر زمانہ کے لیے ایک خاص آدمی ہوتا ہے۔ جہاں یہ بات بڑے بڑے امور کے متعلق صحیح ہے وہاں ان سے اتر کر دوسرے اور تیسرے درجہ کے امور کے متعلق بھی صحیح ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام جب دنیا میں آئے تو جو کام اُس وقت اُن کے سپرد کیا گیا تھا وہ حضرت نوح علیہ السلام کا ہی حصہ تھا کوئی دوسرا آدمی وہ کام نہیں کرسکتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت میں جو کام حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا وہ آپ کا ہی حق تھا اور کوئی دوسرا آدمی وہ کام نہیں کرسکتا تھا۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا ہندوستان میں حضرت کرشن، حضرت رام چندر اور حضرت بُدھ علیہم السلام یا ایران میں حضرت زرتشت علیہ السلام وہ لوگ تھے

جنہوں نے اپنے اپنے زمانہ میں عظیم الشان تغیر پیدا کیا اور یہی نہیں کہ انہوں نے ایک عظیم الشان تغیر پیدا کر دیا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اُس زمانہ کے لحاظ سے وہی لوگ اس کام کے مناسب تھے۔ ان کے علاوہ کوئی دوسرا آدمی وہ کام نہیں کرسکتا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ آیا تو اپنے زمانہ میں آپ ہی مفوضہ فرائض کو سرانجام دینے کے لیے سب سے زیادہ مناسب تھے کوئی دوسرا آدمی وہ کام نہیں کرسکتا تھا جو آپ نے کیا۔ چنانچہ جہاں ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے کہ لَوْ کَانَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی حَیَّیْنِ لَمَا وَسِعَهُمَا اِلَّا اتِّبَاعِیْ۔[1] اگر موسیٰؑ اور عیسیٰؑ زندہ ہوتے تو انہیں میری اطاعت کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا یہ معنے کرتے ہیں کہ درحقیقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوت اُس زمانہ سے شروع نہیں ہوئی جب آپ پیدا ہوئے بلکہ آپ کی ختمِ نبوت حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے شروع ہے اور آپ کے ہی مختلف کاموں کے ٹکڑے تھے جو گزشتہ انبیاء پر بطور ارہاص تقسیم کر دیئے گئے تھے۔ گویا پہلے انبیاء ایک ایسی بنیاد قائم کرنے کے لیے آئے تھے جس پر محمدی عمارت قائم ہو سکے۔ جب گزشتہ انبیاء آپؐ کی ختمِ نبوت کو نہیں توڑتے باوجود اس کے کہ آپ ان سے بھی پہلے زمانہ سے خاتم النبیین ہیں اور آپ کے ہی کام کے ٹکڑے اُن پر تقسیم کیے گئے تھے۔ تو ایسے نبی کے متعلق جو ظاہر طور پر بھی آپؐ کے اتباع میں سے ہو یہ کہنا کہ وہ آپ کی ختمِ نبوت کو توڑتا ہے غلط ہے وہاں اس حدیث کے ایک یہ معنے بھی ہیں کہ آپؐ نے فرمایا اُس زمانہ کا کام میرے ہی ہاتھ سے ہوسکتا تھا کوئی دوسرا آدمی یہ کام نہیں کرسکتا تھا۔ اگر موسیٰؑ اور عیسیٰؑ بھی زندہ ہوتے تو وہ بھی اس کام کو نہ کر سکتے اور انہیں میرا مددگار بن کر کام کرنے کے سوا اَور کوئی چارہ نظر نہ آتا۔ بیشک اُس وقت موسوی کام بھی جاری تھا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی اصلاح کے لیے آئے تھے اور بنی اسرائیل آپ کے زمانے میں موجود تھے۔ بیشک اس وقت عیسوی کام بھی جاری تھا۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہود کی اصلاح کے لیے آئے تھے اور وہ اس وقت موجود تھے۔ مگر باوجود اِس بات کے اُس زمانہ میں اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوتے یا حضرت موسیٰ علیہ السلام ہوتے تب بھی جو فضل اُس وقت آپؐ پر ہو رہا تھا اُن پر نہ ہوتا۔ اور اس زمانہ میں موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کی قوموں کی اصلاح کا کام بھی آپؐ کے ہاتھوں سے ہی سرانجام پاتا۔ بیشک وہ دونوں اپنے اپنے وقت کے عظیم الشان نبی تھے اور اپنی قوموں کی اصلاح

کے لیے مبعوث ہوئے تھے اور ان کی قومیں آپؐ کے زمانہ میں موجود تھیں۔ لیکن جو کام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد ہوا وہ اس زمانہ میں نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کر سکتے تھے اور نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کر سکتے تھے۔ یہ ایک بڑا وسیع اور اہم مضمون ہے جس کو اگر بیان کیا جائے تو ایک کتاب بن سکتی ہے۔

پھر یہ بات انبیاء سے ہی مخصوص نہیں بلکہ ان سے اُتر کر بھی اپنے اپنے زمانہ میں ایسے لوگ ملتے ہیں کہ جو کام انہوں نے اُس وقت کیا وہ ان کا غیر نہیں کر سکتا تھا۔ مثلاً حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہی لے لو۔ حضرت ابوبکرؓ کے متعلق کوئی شخص بھی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ آپ بھی کسی وقت اپنی قوم کی قیادت کریں گے۔ عام طور پر یہی سمجھا جاتا تھا کہ آپ کمزور طبیعت، صُلح کل اور نرم دل واقع ہوئے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی جنگوں کو دیکھ لو آپؐ نے کسی بڑی جنگ میں بھی حضرت ابوبکرؓ کو فوج کا کمانڈر نہیں بنایا۔ بیشک بعض چھوٹے چھوٹے غزوات ایسے ہیں جن میں آپ کو افسر بنا کر بھیجا گیا مگر بڑی جنگوں میں ہمیشہ دوسرے لوگوں کو ہی کمانڈر بنا کر بھیجا جاتا تھا۔ اسی طرح دوسرے کاموں میں بھی آپ کو انچارج نہیں بنایا جاتا تھا۔ باقی قرآن کریم کی تعلیم ہے یا قضاء وغیرہ کا کام ہے یہ بھی آپ کے سپرد نہیں کیا گیا۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ جب ابوبکرؓ کا وقت آئے گا تو جو کام ابوبکرؓ کرلے گا وہ اس کا غیر نہیں کر سکے گا۔ چنانچہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے اور مسلمانوں میں یہ اختلاف پیدا ہو گیا کہ کون خلیفہ ہو اُس وقت حضرت ابوبکرؓ کے ذہن میں بھی یہ بات نہ تھی کہ آپ خلیفہ ہوں گے۔ آپ سمجھتے تھے کہ حضرت عمرؓ وغیرہ ہی اس کے اہل ہو سکتے ہیں۔ انصار میں جوش پیدا ہوا اور انہوں نے چاہا کہ خلافت انہی میں ہو کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ ہم نے اسلام کی خاطر قربانیاں کی ہیں اور اب خلافت کا حق ہمارا ہے اور ادھر مہاجرین کہتے تھے کہ خلیفہ ہم میں سے ہو۔ غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ایک جھگڑا برپا ہو گیا۔ انصار کہتے تھے کہ خلیفہ ہم میں سے ہو اور مہاجرین کہتے تھے کہ خلیفہ ہم میں سے ہو۔ آخر انصار کی طرف سے جھگڑا اس بات پر ختم ہوا کہ ایک خلیفہ مہاجرین میں سے ہو اور ایک خلیفہ انصار میں سے ہو۔ اس جھگڑے کو دور کرنے کے لیے ایک میٹنگ بُلائی گئی۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں اُس وقت میں نے سمجھا کہ حضرت ابوبکرؓ بیشک نیک اور

بزرگ ہیں لیکن اس گتھی کو سلجھانا ان کا کام نہیں۔ اس گتھی کو اگر کوئی سلجھا سکتا ہے تو وہ میں ہی ہوں۔ یہاں طاقت کا کام ہے نرمی اور محبت کا کام نہیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں میں نے سوچ سوچ کر ایسے دلائل نکالنے شروع کیے جن سے یہ ثابت ہو کہ خلیفہ قریش میں سے ہونا چاہیے اور یہ کہ ایک خلیفہ انصار میں سے ہو اور ایک مہاجرین میں سے یہ بالکل غلط ہے۔ آپ فرماتے ہیں میں نے بہت سے دلائل سوچے اور پھر اُس مجلس میں گیا جو اس جھگڑے کو نپٹانے کے لیے منعقد کی گئی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ بھی میرے ساتھ تھے۔ میں نے چاہا کہ تقریر کروں اور ان دلائل سے جو میں سوچ کر گیا تھا لوگوں کو قائل کروں۔ میں سمجھتا تھا کہ حضرت ابوبکرؓ اس شوکت اور دبدبہ کے مالک نہیں کہ اس مجلس میں بول سکیں۔ لیکن میں کھڑا ہونے ہی لگا تھا کہ حضرت ابوبکرؓ نے غصہ سے ہاتھ مار کر مجھ سے کہا بیٹھ جاؤ اور خود کھڑے ہو کر تقریر شروع کر دی۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں خدا کی قسم! جتنی دلیلیں میں نے سوچی تھیں وہ سب کی سب حضرت ابوبکرؓ نے بیان کر دیں اور پھر اَور بھی کئی دلائل بیان کرتے چلے گئے اور بیان کرتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ انصار کے دل مطمئن ہو گئے اور انہوں نے خلافتِ مہاجرین کے اصول کو تسلیم کر لیا۔2

یہ وہی ابوبکرؓ تھا جس کے متعلق حضرت عمرؓ خود بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک دفعہ کسی جھگڑے پر بازار میں آپ کے کپڑے پھاڑ دیئے اور مارنے پر تیار ہو گئے تھے، یہ وہی ابوبکرؓ تھا جس کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اکثر فرمایا کرتے تھے کہ حضرت ابوبکرؓ کا دل رقیق ہے مگر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کا وقت قریب آیا تو وفات سے قبل آپ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا عائشہ! میرے دل میں بار بار یہ خواہش اُٹھتی ہے کہ میں لوگوں سے کہہ دوں کہ وہ میرے بعد حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ بنا لیں لیکن پھر رُک جاتا ہوں کیونکہ میرا دل جانتا ہے کہ میری وفات کے بعد خدا تعالیٰ اور اس کے مومن بندے ابوبکرؓ کے سوا کسی اَور کو خلیفہ نہیں بنائیں گے۔3 چنانچہ ایسا ہی ہوا آپ کو خلیفہ منتخب کیا گیا۔ آپ رقیق القلب انسان تھے اور اتنی نرم طبیعت کے تھے کہ ایک دفعہ آپ کو مارنے کے لیے بازار میں حضرت عمرؓ آگے بڑھے اور انہوں نے آپ کے کپڑے پھاڑ دیئے۔ لیکن وہی ابوبکرؓ جس کی نرمی کی یہ حالت تھی ایک وقت ایسا آیا کہ حضرت عمرؓ آپ کے پاس آئے اور انہوں نے درخواست کی کہ تمام عرب مخالف ہو گیا ہے صرف مدینہ، مکہ اور

ایک اَور چھوٹی سی بستی میں نماز باجماعت ہوتی ہے باقی لوگ نمازیں پڑھتے تو ہیں لیکن ان میں اتنا تفرقہ پیدا ہو چکا ہے کہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے کے لیے تیار نہیں اور اختلاف اتنا بڑھ چکا ہے کہ وہ کسی کی بات سننے کو تیار نہیں۔ عرب کے جاہل لوگ جو پانچ پانچ، چھ چھ ماہ سے مسلمان ہوئے ہیں مطالبہ کر رہے ہیں کہ زکوٰۃ معاف کر دی جائے۔ یہ لوگ زکوٰۃ کے مسئلہ کو سمجھتے تو ہیں نہیں۔ اگر ایک دو سال کے لیے انہیں زکوٰۃ معاف کر دی جائے تو کیا حرج ہے؟ گویا وہ عمرؓ جو ہر وقت تلوار ہاتھ میں لیے کھڑا رہتا تھا اور ذرا سی بات بھی ہوتی تو کہتا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! حکم ہو تو اس کی گردن اُڑا دوں وہ ان لوگوں سے اتنا مرعوب ہو جاتا ہے، اتنا ڈر جاتا ہے، اتنا گھبرا جاتا ہے کہ ابوبکرؓ کے پاس آکر اُن سے درخواست کرتا ہے کہ ان جاہل لوگوں کو کچھ عرصہ کے لیے زکوٰۃ معاف کر دی جائے ہم آہستہ آہستہ انہیں سمجھا لیں گے۔ مگر وہ ابوبکرؓ جو اِتنا رقیق القلب تھا کہ حضرت عمرؓ کہتے ہیں میں ایک دفعہ انہیں مارنے کے لیے تیار ہو گیا تھا اور بازار میں ان کے کپڑے پھاڑ دیئے تھے اُس نے اُس وقت نہایت غصے سے عمرؓ کی طرف دیکھا اور کہا عمر! تم اُس چیز کا مطالبہ کر رہے ہو جو خدا اور اس کے رسول نے نہیں کی۔ حضرت عمرؓ نے کہا یہ ٹھیک ہے لیکن یہ لوگ حدیثُ الْعَہْد ہیں، دشمن کا لشکر مدینہ کی دیواروں کے پاس پہنچ چکا ہے کیا یہ اچھا ہوگا کہ یہ لوگ بڑھتے چلے آئیں اور ملک میں پھر طوائف الملوکی کی حالت پیدا ہو جائے یا یہ مناسب ہوگا کہ انہیں ایک دو سال کے لیے زکوٰۃ معاف کر دی جائے؟ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا خدا کی قسم! اگر دشمن مدینہ کے اندر گھس آئے اور اس کی گلیوں میں مسلمانوں کو تہِ تیغ کر دے اور عورتوں کی لاشوں کو کتّے گھسیٹتے پھریں تب بھی میں انہیں زکوٰۃ معاف نہیں کروں گا۔ خدا کی قسم! اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں یہ لوگ رسّی کا ایک ٹکڑا بھی بطور زکوٰۃ دیتے تھے تو میں وہ بھی ان سے ضرور وصول کروں گا۔4 پھر آپ نے فرمایا عمر! اگر تم لوگ ڈرتے ہو تو بیشک چلے جاؤ میں اکیلا ہی ان لوگوں سے لڑوں گا اور اُس وقت تک نہیں رُکوں گا جب تک یہ اپنی شرارت سے باز نہیں آجاتے۔5 چنانچہ لڑائی ہوئی اور آپ ہی فاتح ہوئے اور اپنی وفات سے پہلے پہلے آپ نے دوبارہ سارے عرب کو اپنے ماتحت کر لیا۔ غرض حضرت ابوبکرؓ نے اپنی زندگی میں جو کام کیا وہ انہی کا حصہ تھا کوئی اَور شخص وہ کام نہیں کر سکتا تھا۔

مگر یہی عمرؓ جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ایک خطرہ کی حالت میں ڈر گئے تھے اور جنہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے یہ درخواست کی تھی کہ لڑائی کرنے کی بجائے صلح کر لی جائے جب ان کا اپنا زمانہ آتا ہے تو جو کام انہوں نے کیا وہ انہی کا حصہ تھا۔ ان کا غیر وہ کام نہیں کر سکتا تھا۔ وہی ارتداد کے فتنہ سے ڈر جانے والا عمرؓ جب خلافت کے مَسند پر آتا ہے اُس وقت دنیا میں دو بڑی سلطنتیں تھیں۔ آدھی دنیا پر ایران قابض تھا اور آدھی دنیا پر روم کی سلطنت تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وقت میں لڑائیاں ہوئیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں پھیل گئیں لیکن پھر بھی وہ اس شدت کو نہیں پہنچی تھیں جس شدت کو وہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں پہنچیں۔ حضرت عمرؓ کو یہ خبر پہنچی کہ ایرانیوں نے مسلمانوں پر چھاپا مارا ہے۔ لوگوں نے کہا یہ وقت نازک ہے روم سے لڑائی ہو رہی ہے اور ایران کی حکومت بھی حملہ آور ہونے کی تیاریاں کر رہی ہے اِس وقت ہمیں اس جھگڑے کو نظر انداز کر دینا چاہیے۔ ایران سے لڑائی کرنے کا یہ موقع نہیں کیونکہ ایک وقت میں دنیا کی دو بڑی سلطنتوں سے لڑائی کرنا ہمارے لیے آسان نہیں۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں اسلام کو ذلیل نہیں ہونے دوں گا۔ میں ایک ہی وقت میں دونوں کا مقابلہ کروں گا۔ ایران میں جسر کی خطرناک شکست کے بعد جب مسلمانوں کا سارا لشکر تہہ تیغ ہو گیا تھا اور باقی لشکر شام کی طرف گیا ہوا تھا مدینہ سے صرف تین سَو آدمی مل سکتے تھے مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں ان تین سَو آدمیوں کو ساتھ لے کر ہی ایران کا مقابلہ کرنے کے لیے جاؤں گا۔ مگر اُس وقت حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہؓ کے اصرار کے بعد آپ خود جانے سے رُک گئے مگر تھوڑے سے لشکر کو ایران کا مقابلہ کرنے کے لیے بھجوا دیا۔

پھر حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا تو وہ بھی اپنے وقت کے بہترین انسان ثابت ہوئے۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ وہ شہید ہوئے لیکن ان کی شہادت کے واقعات پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ ان کے سینے میں ایک مضبوط دل تھا اور ان کے اندر وہ دلیری اور حوصلہ پایا جاتا تھا جو عام انسانی برداشت سے بالکل باہر ہے۔

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں جو کام کیا وہ درحقیقت حضرت علیؓ کا ہی حصہ تھا اور کوئی دوسرا شخص اس کام کو سرانجام نہیں دے سکتا تھا۔ خوارج کے فتنہ کا عملی اور علمی مقابلہ

جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کیا وہ ایک بینظیر کام ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے سرداری کی اور اپنے اپنے وقت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کلّی طور پر نیابت کی۔لیکن اس قسم کے اَور واقعات بھی کثرت سے چھوٹے صحابہؓ میں پائے جاتے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جہاں علمِ دین کے ماہر تھے وہاں آپ کو علم النفس میں بھی کمال کی دسترس حاصل تھی۔آپ جانتے تھے کہ کس طرح قوموں کو بیدار کیا جاتا ہے اور کس طرح انہیں کارہائے نمایاں دکھانے کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔آپ بعض دفعہ مثلاً تلوار ہاتھ میں لے لیتے اور صحابہؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کرتے یہ تلوار ہے۔کون ہے جو اس تحفہ کا حق ادا کرے؟ صحابہؓ باری باری کھڑے ہوتے اور اپنے آپ کو اس کام کے لیے پیش کرتے۔آخر آپ ان میں سے اس شخص کو پہچان لیتے جو اس تلوار کا حق ادا کرنے والا ہوتا اور اسے وہ تلوار عنایت کر دیتے۔6 پھر وہ لوگ عجیب عجیب قسم کی قربانیاں کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ایسی قربانیاں کہ ان واقعات کو پڑھ کر دل میں ایک خاص جوش پیدا ہوتا ہے اور مُردہ رگوں میں بھی زندگی کا خون دوڑنے لگتا ہے۔پھر یہی واقعات دنیا کی عام تاریخ میں بھی ملتے ہیں۔غرض ''ہر کارے و ہر مردے اور ہر وقتے و ہر سخنے'' بڑا ہی صحیح مقولہ ہے۔خدا تعالیٰ اپنی ساری برکتیں کسی ایک شخص کے لیے مخصوص نہیں کر دیتا۔اس کی نظرِ عنایت ہزاروں ہزار پر ہے۔کسی موقع پر وہ کسی کو آگے آنے کا موقع دے دیتا ہے اور کسی وقت کسی کو آگے آنے کا موقع دے دیتا ہے۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کتنی زیادہ مالی قربانی کرنے والے تھے لیکن ایک دفعہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ایک جنگ کی تیاری کے لیے روپیہ کی ضرورت پیش آئی اور آپؐ نے فرمایا کہ کوئی ہے جو اپنے مال سے جنت خریدنا چاہے تو خدا تعالیٰ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو موقع دے دیا اور آپ نے اپنا اکثر مال رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے لاکر رکھ دیا۔ وہ مال کوئی بارہ ہزار دینار کے قریب تھا جو آجکل کے لاکھوں روپے کے برابر ہے۔7 غرض ہر وقت اور ہر زمانہ کے لیے کوئی نہ کوئی ایسا مخصوص شخص ہوتا ہے جسے خدا تعالیٰ کی طرف سے ایسی برکات حاصل ہو جاتی ہیں کہ وہ اپنے زمانہ کے لیے بطور یادگار بن جاتا ہے۔

اِس زمانہ میں دنیا کی اصلاح کے لیے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث

ہوئے۔آپ کے ماننے والوں میں بھی ایسے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے دین کی خاص خدمت کی اور اس کی خاطر وہ وہ قربانیاں کیں جنہیں دیکھ کر ہماری قوم تا قیامت زندہ رہ سکتی ہے۔کوئی شخص جب سید عبداللطیف صاحب شہید کی قربانیوں کو دیکھے گا تو وہ کہے گا میں بھی عبداللطیف شہید بنوں گا۔کوئی حضرت خلیفۃ المسیح الاول کے واقعاتِ زندگی کو دیکھے گا تو اس کے اندر آپ جیسا انسان بننے کی خواہش موجزن ہوگی۔کوئی حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کے حالات کو پڑھے گا تو وہ ان جیسا بننے کی کوشش کرے گا۔کوئی مولوی برہان الدین صاحب اور مولوی محمد عبداللہ صاحب سنوری کے واقعات پڑھے گا تو کہے گا کہ کاش! وہ بھی ان جیسا بن جائے۔اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ بعض لوگوں نے بعد میں ٹھوکریں بھی کھائیں لیکن ہم ان کی قربانیوں اور اُن کے بے مثال کارناموں کو بھول نہیں سکتے۔خدا تعالیٰ جیسا چاہے ان سے معاملہ کرے۔ہمارا کام یہی ہے کہ ان کی قربانیوں کو نہ بھولیں۔شیخ رحمت اللہ صاحب نے بیشک بعد میں ٹھوکر کھائی اور حضرت خلیفۃ المسیح الاول کی وفات کے بعد پیغامی ہو گئے لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان کی دینی خدمات اور قربانیوں کی وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان سے خاص محبت تھی۔میں نے کئی دفعہ رؤیا میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا کہ وہ دوسرے لوگوں کی طرف سے منہ پھیرے ہوئے ہیں لیکن شیخ رحمت اللہ صاحب کی طرف کنکھیوں سے محبت سے دیکھ رہے ہیں۔ان کے متعلق میں نے بھی ایک رؤیا دیکھا تھا جو اس بات پر دلالت کرتا تھا کہ وہ ٹھوکر کھائیں گے۔پس گو انہیں بعد میں ٹھوکر لگی لیکن اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ انہوں نے اپنے وقت میں دین کی خاطر قربانیاں کی ہیں۔ان سے پہلے سیٹھ عبدالرحمان صاحب مدراسی نے قربانی کا بے نظیر نمونہ دکھایا۔اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں آپ کے ماننے والوں میں سے کئی ایسے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے اپنے وقت میں دین کے لیے عظیم الشان قربانیاں کیں۔بعد میں آنے والے جب بھی ان کے واقعات پڑھیں گے اور دیکھیں گے کہ انہوں نے دین کی خاطر بے مثال خدمتیں کی ہیں اور خدا تعالیٰ کا خاص فضل ان پر نازل ہوا ہے تو ان میں بھی ان کی نقل کرنے کی خواہش پیدا ہوگی۔

پھر حضرت خلیفۃ المسیح الاول کا زمانہ آیا۔وہ زمانہ زیادہ تر ارہاص یعنی خلافت کے قیام کا

زمانہ تھا۔ اس زمانہ میں کوئی ایسا ٹھوس کام جو جماعت کی تبلیغی ترقی کے ساتھ وابستہ ہوتا نہیں ہوا بلکہ سارا وقت اندرونی لڑائیوں اور آپس کے جھگڑوں میں ہی گزر گیا۔ مگر بہرحال اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اُس زمانہ میں بھی جماعت نے ترقی کی اور پہلے سے زیادہ مضبوط ہوئی اور خصوصاً ہائی اسکول کی تعمیر ایک نمایاں کام تھا۔ اُس زمانہ میں زیادہ تر اندرونی فتنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے مجھے ہی جنگ کرنی پڑی اور اسی وجہ سے مخالفین اور فتنہ پرداز لوگوں کے اُن حملوں کا جو حضرت خلیفۃ المسیح الاول اور ان کی تائید کرنے والے لوگوں پر کیے گئے زیادہ تر میں ہی ہدف رہتا تھا۔

پھر میرا زمانہ آیا جس میں عام طور پر غیروں نے سمجھ لیا کہ اب یہ سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ کیونکہ سب کام ایک بچے کے ہاتھ میں چلا گیا ہے۔ سلسلہ کے سپرد فتحِ دنیا کا کام ہے اور کام ایک غیر تعلیم یافتہ اور ناتجربہ کار بچہ کے سپرد ہوگیا ہے جس نے بڑے بڑے کام نہیں کیے۔ میں بتا چکا ہوں کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاول کا زمانہ زیادہ تر خلافت کے قیام کا زمانہ تھا لیکن اب خلافت کے کام کا زمانہ شروع ہو رہا تھا۔ اس زمانہ میں خلافت کی بنیادوں پر عمارت کی تعمیر شروع ہوئی اور مختلف لوگوں کو مختلف رنگوں میں خدمتِ دین کا موقع ملا۔ ابتدائی زمانہ میں میں سمجھتا ہوں کہ جو کام حضرت حافظ روشن علی صاحب کو کرنے کا موقع ملا ہے وہ کسی اَور کو نہیں ملا۔ وہ صفِ اول کے جرنیل تھے۔ انہوں نے مخالفینِ خلافت سے متواتر مباحثات کیے اور ان پر خلافت کی ضرورت اور اہمیت واضح کی۔ دنیوی لحاظ سے چودھری ظفر اللہ خان صاحب کو بہت سے کاموں کے کرنے کا موقع ملا۔ وہ زیادہ تر قادیان میں نہیں رہے لیکن پھر بھی انہیں توفیق ملی اور دین کی اشاعت میں لگے رہے۔ انہوں نے میرے مختلف مضامین اور کتب کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا۔ سلسلہ کے مقدمات مفت کیے۔ سلسلہ کے کاموں کے لیے افسروں اور دیگر عظماء سے ملتے رہے اور اس طرح اشاعتِ سلسلہ میں نمایاں حصہ لیا۔ درمیان میں کئی اَور بھی فتنے اُٹھے۔ کسی میں میر محمد اسحاق صاحب کو کام کرنے کا موقع ملا اور کسی میں مفتی محمد صادق صاحب کو۔ امریکہ میں جماعت احمدیہ کا مشن مفتی محمد صادق صاحب نے قائم کیا۔ انگلستان میں یہ کام چودھری فتح محمد صاحب نے کیا اور مغربی افریقہ میں مشن قائم کرنے کا سہرا مولوی عبدالرحیم صاحب نیر کے سر رہا۔ یہ لوگ صرف مبلغ نہیں تھے بلکہ یہ وہ لوگ تھے جنہیں غیر معمولی حالات میں کام کرنا پڑا۔ خصوصاً انگلستان اور امریکہ

میں نہایت نامساعد حالات تھے۔ جب چودھری فتح محمد صاحب انگلستان تشریف لے گئے اُس وقت خواجہ کمال الدین صاحب وہاں چھائے ہوئے تھے اور ان کے سامنے چودھری صاحب کی مثال درخت کے نیچے پدبھیڑے8 کی سی تھی لیکن ان حالات کے باوجود چودھری صاحب نے اَنتھک محنت کے بعد وہاں مشن قائم کیا اور ایسے طور پر کیا کہ ہمیں احساس ہوگیا کہ اسے آئندہ بھی جاری رکھنا چاہیے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اگر چودھری صاحب وہاں نہ جاتے تو ہم انگلستان میں تبلیغی کام جاری نہ رکھ سکتے۔ امریکہ میں مفتی محمد صادق صاحب گئے اور انہوں نے عظیم الشان کام کیا۔امریکہ میں ہم مسجد بنانا چاہتے تو شاید آج تک بھی نہ بنا سکتے۔مفتی صاحب نے وہاں خود ہی ایک مکان بے پوچھے لے لیا اور اس کا نام مسجد رکھ دیا اور پھر ہمیں لکھ دیا کہ میں نے اِس اِس طرح کیا ہے۔ اس کے بعد ہم اس کو قائم رکھنے کے لیے مجبور ہو گئے۔ اِسی طرح شام میں مولوی جلال الدین صاحب شمس نے کام کیا ہے اور پھر انہوں نے فلسطین میں بھی جماعت کو قائم کیا۔یا پھر دوبارہ چودھری فتح محمد صاحب کو فتنۂ ارتداد کے وقت ملکانہ میں کام کرنا پڑا۔ پیغامی فتنہ کے وقت صدرانجمن احمدیہ کی مضبوطی کا کام کرنے کا موقع چودھری نصراللہ خاں صاحب مرحوم کو ملا۔غرض متفرق اوقات میں متفرق کام نکلتے ہیں جو چند مخصوص آدمی کرتے ہیں۔ان کے علاوہ کوئی اَور آدمی وہ کام نہیں کرسکتا۔

جماعتی طور پر ہم پر ایک بہت بڑا ابتلاء 1947ء میں آیا اور الٰہی تقدیر کے ماتحت ہمیں قادیان چھوڑنا پڑا۔شروع میں مَیں سمجھتا تھا کہ جماعت کا جرنیل ہونے کی حیثیت سے میرا فرض ہے کہ قادیان میں لڑتا ہوا مارا جاؤں ورنہ جماعت میں بزدلی پھیل جائے گی۔ اور اس کے متعلق میں نے باہر کی جماعتوں کو چٹھیاں بھی لکھ دی تھیں لیکن بعد میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات کے مطالعہ سے مجھ پر یہ امر منکشف ہوا کہ ہمارے لیے ایک ہجرت مقدر ہے اور ہجرت ہوتی ہی لیڈر کے ساتھ ہے۔ ویسے تو لوگ اپنی جگہیں بدلتے ہی رہتے ہیں مگر اُسے کوئی ہجرت نہیں کہتا۔ہجرت ہوتی ہی لیڈر کے ساتھ ہے۔ پس میں نے سمجھا کہ خداتعالیٰ کی مصلحت یہی ہے کہ میں قادیان سے باہر چلا جاؤں۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات کے مطالعہ سے میں نے سمجھا کہ ہماری ہجرت یقینی ہے اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ مجھے قادیان چھوڑ دینا چاہیے تو اُس

وقت لاہور فون کیا گیا کہ کسی نہ کسی طرح ٹرانسپورٹ کا انتظام کیا جائے۔لیکن آٹھ دس دن تک کوئی جواب نہ آیا اور جواب آیا بھی تو یہ کہ حکومت کسی قسم کی ٹرانسپورٹ مہیا کرنے سے انکار کرتی ہے اس لیے کوئی گاڑی نہیں مل سکتی۔ میں اُس وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات کا مطالعہ کر رہا تھا۔ الہامات کا مطالعہ کرتے ہوئے مجھے ایک الہام نظر آیا ''بعد گیارہ''۔9 میں نے خیال کیا کہ گیارہ سے مراد گیارہ تاریخ ہے اور میں نے سمجھا کہ شاید ٹرانسپورٹ کا انتظام قمری گیارہ تاریخ کے بعد ہوگا مگر انتظام کرتے کرتے عیسوی ماہ کی 28 تاریخ آ گئی لیکن گاڑی کا کوئی انتظام نہ ہو سکا۔ 28 تاریخ کو اعلان ہو گیا کہ 31راگست کے بعد ہر ایک حکومت اپنے اپنے علاقہ کی حفاظت کی خود ذمہ دار ہوگی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ انڈین یونین اب مکمل طور پر قادیان پر قابض ہوگئی ہے۔ میں نے اُس وقت خیال کیا کہ اگر مجھے جانا ہے تو اس کے لیے فوراً کوشش کرنی چاہیے ورنہ قادیان سے نکلنا محال ہو جائے گا اور اس کام میں کامیابی نہیں ہو سکے گی۔ ان لوگوں کے مخالفانہ ارادوں کا اس سے پتا چل سکتا ہے کہ ایک انگریز کرنل جو بٹالہ لگا ہوا تھا میرے پاس آیا اور اس نے کہا مجھے ان لوگوں کے منصوبوں کا علم ہے۔ جو کچھ یہ 31راگست کے بعد مسلمانوں کے ساتھ کریں گے اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ باتیں کرتے وقت اُس پر رِقّت طاری ہوگئی لیکن اُس نے جذبات کو دبا لیا اور منہ ایک طرف پھیر لیا۔ جب میں نے دیکھا کہ اب گاڑی وغیرہ کا کوئی انتظام نہیں ہوسکتا اور میں سوچ رہا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہام ''بعد گیارہ'' سے کیا مُراد ہے تو مجھے میاں بشیر احمد صاحب کا پیغام ملا کہ میجر جنرل نذیر احمد صاحب کے بھائی میجر بشیر احمد صاحب ملنے کے لیے آئے ہیں۔ دراصل یہ اُن کی غلطی تھی۔ وہ میجر بشیر احمد صاحب نہیں تھے بلکہ ان کے دوسرے بھائی کیپٹن عطاء اللہ صاحب تھے۔ جب وہ ملاقات کے لیے آئے تو میں حیران تھا کہ یہ تو میجر بشیر احمد نہیں۔ ان کے چہرے پر تو چیچک کے داغ ہیں۔ مگر چونکہ مجھے ان کا نام میجر بشیر احمد ہی بتایا گیا تھا اس لیے میں نے دورانِ گفتگو میں جب انہیں میجر کہا تو انہوں نے کہا میں میجر نہیں ہوں کیپٹن ہوں اور میرا نام بشیر احمد نہیں بلکہ عطاء اللہ ہے۔ کیپٹن عطاء اللہ صاحب کے متعلق پہلے سے میرا یہ خیال تھا کہ وہ اپنے دوسرے بھائیوں سے زیادہ مخلص ہیں اور میں سمجھتا تھا کہ اگر خدمت کا موقع مل سکتا ہے تو اپنے بھائیوں میں سے یہی اِس کے سب سے زیادہ مستحق

ہیں۔میں نے انہیں حالات بتائے اور کہا کہ کیا وہ سواری اور حفاظت کا کوئی انتظام کر سکتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ میں آج ہی واپس جا کر کوشش کرتا ہوں۔ایک جیپ میجر جنرل نذیر احمد کو ملی ہوئی ہے اگر وہ مل سکی تو دو اَور کا انتظام کر کے میں آؤں گا۔ کیونکہ تین گاڑیوں کے بغیر پوری طرح حفاظت کا ذمہ نہیں لیا جاسکتا۔کیونکہ ایک جیپ خراب بھی ہوسکتی ہے اور اُس پر حملہ بھی ہوسکتا ہے۔ لیکن ضرورت ہے کہ تین گاڑیاں ہوں تا سب خطرات کا مقابلہ کیا جاسکے۔ یہ باتیں کر کے وہ واپس لاہور گئے اور گاڑی کے لیے کوشش کی مگر میجر جنرل نذیر احمد صاحب کی جیپ انہیں نہ مل سکی۔ وہ خود کہیں باہر گئے ہوئے تھے۔آخر انہوں نے نواب محمد الدین صاحب مرحوم کی کار لی اور عزیز منصور احمد کی جیپ۔ اِسی طرح بعض اَور دوستوں کی کاریں حاصل کیں اور قادیان چل پڑے۔ دوسرے دن ہم نے اپنی طرف سے ایک اَور انتظام کرنے کی بھی کوشش کی اور چاہا کہ ایک احمدی کی معرفت کچھ گاڑیاں مل جائیں۔اُس دوست کا وعدہ تھا کہ وہ ملٹری کو ساتھ لے کر آٹھ نو بجے قادیان پہنچ جائیں گے۔لیکن وہ نہ پہنچ سکے یہاں تک کہ دس بج گئے۔اُس وقت مجھے یہ خیال آیا کہ شاید گیارہ سے مراد گیارہ بجے ہو اور یہ انتظام گیارہ بجے کے بعد ہو۔میاں بشیر احمد صاحب جن کے سپرد اُن دنوں ایسے انتظام تھے اُن کے بار بار پیغام آتے تھے کہ سب انتظام رہ گئے ہیں اور کسی میں بھی کامیابی نہیں ہوئی۔ میں نے انہیں فون کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہام ''بعد گیارہ'' سے میں سمجھتا ہوں کہ گیارہ بجے کے بعد کوئی انتظام ہو سکے گا۔ پہلے میں سمجھتا تھا کہ اِس سے گیارہ تاریخ مراد ہے لیکن اب میرا خیال ہے کہ شاید اس سے مراد گیارہ بجے کا وقت ہے۔ میرے لڑکے ناصر احمد نے بھی جس کے سپرد باہر کا انتظام تھا مجھے فون کیا کہ تمام انتظامات فیل ہوگئے ہیں۔ ایک بدھ فوجی افسر نے کہا تھا کہ خواہ مجھے سزا ہو جائے میں ضرور کوئی نہ کوئی انتظام کروں گا اور اپنی گارڈ ساتھ روانہ کروں گا لیکن عین وقت پر اُسے بھی کہیں اَور جگہ جانے کا آرڈر آگیا اور اُس نے کہا مَیں اب مجبور ہوں اور کسی قسم کی مدد نہیں کرسکتا۔آخر گیارہ بج کر پانچ منٹ پر میں نے فون اُٹھایا اور چاہا کہ ناصر احمد کو فون کروں کہ ناصر احمد نے کہا میں فون کرنے ہی والا تھا کہ کیپٹن عطاء اللہ یہاں پہنچ چکے ہیں اور گاڑیاں بھی آگئی ہیں۔ چنانچہ ہم کیپٹن عطاء اللہ صاحب کی گاڑیوں میں قادیان سے لاہور پہنچے۔

یہاں پہنچ کر میں نے پورے طور پر محسوس کیا کہ میرے سامنے ایک درخت کو اُکھیڑ کر دوسری جگہ لگانا نہیں بلکہ ایک باغ کو اُکھیڑ کر دوسری جگہ لگانا ہے۔ ہمیں اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ فوراً ایک نیا مرکز بنایا جائے جہاں قادیان کے لوگوں کو آباد کیا جائے اور مرکزی دفاتر بھی بنائے جائیں۔ اس کے لیے اور میرے آئندہ پروگرام کے طے کرنے کے لیے سات ستمبر 1947ء کو ایک میٹنگ بُلائی گئی لیکن شہر کے شہر کو دوسری جگہ پر بسانا کوئی معمولی کام نہیں تھا بلکہ اس کے لیے انتہائی محنت کی ضرورت تھی۔ یہ جماعت پرندوں کی تو تھی نہیں کہ ایک جگہ سے اُڑ کر دوسری جگہ پر جا بیٹھتی بلکہ ایک مرکز رکھنے والی جماعت تھی۔ اسے ایک ایسے مرکز کی ضرورت تھی جہاں جماعت پھر اپنی بنیادوں پر کھڑی ہو سکے۔

جس طرح میرے قادیان سے نکلنے کا کام کیپٹن عطاء اللہ صاحب کے ہاتھ سے سرانجام پانا تھا اِسی طرح ایک نئے مرکز کا قیام ایک دوسرے آدمی کے سپرد تھا جو پیچھے آیا اور کئی لوگوں سے آگے بڑھ گیا۔ میری مراد نواب محمد الدین صاحب مرحوم سے ہے جن کی اِسی ہفتہ میں وفات واقع ہوئی ہے۔ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اُن کی خدمات کی وجہ سے ربوہ میں کوئی ایسا نشان مقرر کیا جائے جس کی وجہ سے جماعت ہمیشہ اُن کی قربانیوں کو یاد رکھے اور اس بات کو مت بُھولے کہ کس طرح ایک 80 سالہ بوڑھے نے جو محنت اور جفاکشی کا عادی نہیں تھا، جو ڈپٹی کمشنر اور ریاست کا وزیر رہ چکا تھا، جو صاحبِ جائداد اور متموّل آدمی تھا 1947ء سے 1949ء کے شروع تک باوجود اِس کے کہ اُس کی طبیعت اتنی مضمحل ہو چکی تھی کہ وہ طاقت کا کوئی کام نہیں کر سکتا تھا، اپنی صحت اور اپنے آرام کو نظر انداز کرتے ہوئے رات اور دِن ایک کر دیا۔ اس لیے کہ کسی طرح جماعت کا نیا مرکز قائم ہو جائے۔ سینکڑوں دفعہ وہ افسروں سے ملے، اُن سے جھگڑے کیے، لڑائیاں کیں، منّتیں اور خوشامدیں کیں اور پھر مرکز کی تلاش کے لیے بھی پھرتے رہے۔ انہیں اس کام میں اتنا انہماک تھا کہ ایک دفعہ میں اکیلا ربوہ گیا اور انہیں اطلاع نہ دی۔ میں نے سمجھا وہ ضعیف العمر آدمی ہیں انہیں تکلیف نہ دی جائے۔ ان کو ریٹائر ہوئے بھی بائیس سال ہو چکے تھے۔ 1926ء میں مَیں جب مالیر کوٹلہ گیا تو وہ وہاں منسٹر تھے۔ جب میں واپس آیا تو انہوں نے کہا مجھے سخت افسوس ہے کہ اس دفعہ میں آپ کے ساتھ نہیں جا سکا۔ مجھے بھی اطلاع دیتے تو میں ساتھ چلا جاتا۔ میں نے کہا صرف

آپ کی تکلیف کے خیال سے میں نے آپ کو اطلاع نہیں بھجوائی تھی۔ انہوں نے کہا میری تو خواہش تھی کہ میں آپ کے ساتھ جاتا اور اب نہ جانے کی وجہ سے مجھے انتہائی رنج ہوا۔غرض اس کام کے لیے انہوں نے دن رات ایک کر دیا تھا اور یقیناً اس کام کے لیے اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی موزوں آدمی تھے۔

ہمارے مرکز کا قائم ہونا کوئی معمولی بات نہیں بلکہ بڑی اہم چیز ہے۔ اگر ہمارا نیا مرکز کامیاب ہوگا اور ہمیں یقین ہے کہ وہ کامیاب ہوگا تو یہ ایک ویسی ہی اہمیت رکھنے والی چیز ہوگی جیسے کہ دنیا کے بڑے بڑے مذہبی مرکزوں کی تعمیر اہمیت رکھتی تھی۔ مقاماتِ مرکزی کا قیام ایک بہت بڑا کام ہوتا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ **ہمارے جدید مرکز کے قیام کا سہرا یقیناً نواب محمد الدین صاحب مرحوم کے سر پر ہے اور یہ عزت اور رتبہ انہی کا حق ہے۔ جب تک یہ جماعت قائم رہے گی لوگ ان کے لیے دعا بھی کریں گے اور ان کی قربانی کو دیکھ کر نوجوانوں کے دلوں میں یہ جذبہ بھی پیدا ہوگا کہ وہ ان جیسا کام کریں۔** کُجا ایک بوڑھا بیمار اور کمزور آدمی اور کُجا اس کی یہ حالت کہ وہ دن کو بھی وہاں موجود ہے اور رات کو بھی وہیں موجود ہے اور رپورٹیں پیش کر رہا ہے کہ آج میں فلاں سے ملا تھا، آج فلاں سے ملا تھا۔ اب بھی جب وہ مری میں تھے وفات سے دس دن پہلے انہوں نے مجھے لکھا کہ اب ربوہ میں تعمیر کا کام شروع ہونے والا ہے اور چونکہ یہ کام نگرانی چاہتا ہے اور میری صحت ٹھیک ہوگئی ہے اس لیے میرا ارادہ ہے کہ ربوہ چلا جاؤں اور کام میں مدد دوں۔ غرض "ہر کارے و ہر مردے" سینکڑوں کام ہوتے ہیں لیکن بہت برکت والا ہوتا ہے وہ آدمی جس سے کوئی ایسا کام ہو جائے جو اپنے اندر تاریخی عظمت رکھتا ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کام کا ان کے ہاتھ سے ہونا ان کی کسی بہت بڑی نیکی کی وجہ سے تھا اور میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ پیچھے آئے مگر آگے گزر گئے۔

بیعت سے پہلے وہ احمدیت کے قائل تو تھے۔ چنانچہ جب وہ دہلی میں افسر مال لگے ہوئے تھے اور میر قاسم علی صاحب وہاں تھے تو انہوں نے اپنے لڑکے چودھری محمد شریف صاحب وکیل کی بیعت کروا دی تھی لیکن خود بیعت نہیں کرتے تھے۔ غالباً 1927ء میں انہوں نے بیعت کی ہے۔ مجھے یاد ہے جب انہوں نے بیعت کی تو ساتھ یہ درخواست کی کہ میری بیعت ابھی مخفی رہے۔

انہوں نے کہا میں ریٹائر ہو چکا ہوں اور اب ملازمتیں ریاستوں میں ہی مل سکتی ہیں اس لیے اگر میری بیعت ظاہر نہ ہوتو ملازمت حاصل کرنے میں سہولت رہے گی۔ جب وہ ہمارے سلسلہ میں داخل ہوئے ہیں اُس وقت وہ ریاست مالیرکوٹلہ یا جَے پور میں ملازم تھے۔ بیعت کر کے وہاں جانے کی بجائے شملہ چلے گئے۔ میں بھی چند دنوں کے لیے شملہ گیا اور انہوں نے مجھے دعوت پر بلایا اور کہا اور تو میں کوئی خدمت نہیں کرسکتا لیکن یہ تو کرسکتا ہوں کہ دعوت پر بڑے بڑے آدمیوں کو بلا لوں اور آپ کا واقف کرا دوں اور مجھے ثواب مل جائے گا۔ میں دعوت پر چلا گیا انہوں نے بڑے بڑے آدمی بُلائے ہوئے تھے۔ میں اس انتظار میں تھا کہ کوئی اعتراض کرے اور میں اس کا جواب دوں کہ وہ کھڑے ہوگئے اور حاضرین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے تقریر میں انہوں نے کہا یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ امام جماعت احمدیہ یہاں تشریف لائے ہیں۔ جو شخص کسی قوم کا لیڈر ہوتا ہے ہمیں اُس کا احترام کرنا چاہیے۔ وہ ہمیں دین کی باتیں سُنائیں گے خواہ ہم مانیں یا نہ مانیں ان سے ہمیں فائدہ پہنچے گا۔ اس طرح تھوڑی دیر وہ تقریر کرتے رہے۔ دو تین جملوں کے بعد وہ تقریر کرتے ہوئے یکدم جوش میں آ گئے اور کہنے لگے اِس زمانہ میں ایک شخص آیا اور وہ کہتا ہے کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہوں۔ اگر آپ لوگ اسے نہیں مانیں گے تو آپ پر خدا تعالیٰ کی طرف سے عذاب آ جائے گا۔ جب وہ تقریر کر کے بیٹھ گئے تو میں نے کہا دیکھیے! نواب صاحب! میں نے تو ظاہر نہیں کیا کہ آپ احمدی ہیں۔ آپ نے تو خود ہی ظاہر کر دیا ہے۔ وہ کہنے لگے مجھ سے رہا نہیں گیا۔ میں نے کہا میں تو پہلے ہی سمجھتا تھا کہ سچی احمدیت چُھپی نہیں رہتی۔ آپ خواہ کتنا بھی چھپائیں یہ ظاہر ہو کر رہے گی۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ وہ چندے باقاعدگی کے ساتھ دیتے تھے مگر جماعتی کاموں میں انہوں نے چند سال پہلے تک کوئی نمایاں حصہ نہیں لیا تھا لیکن یہ موقع انہیں ایسا ملا کہ **جب تک یہ مرکز قائم رہے گا ان کا نام بطور یادگار دنیا میں لیا جائے گا۔ یہ ضروری نہیں کہ قادیان کے واپس مل جانے پر اِس مرکز کی اہمیت کم ہو جائے۔ اوّل تو ہمیں ایک ہی وقت میں کئی مرکزوں کی ضرورت ہے۔ دوسرے یہ مرکز ایک پیشگوئی کے ماتحت قائم کیا جا رہا ہے اور جو مرکز پیشگوئی کے ماتحت قائم کیا جائے اُس میں اور دوسرے مرکزوں میں بہرحال امتیاز ہوتا ہے۔ یہ مقام چونکہ اللہ تعالیٰ کی پیشگوئی کے ماتحت قائم کیا جا رہا ہے۔ اِسی لیے ہم سمجھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے فرشتے اِس**

کی حفاظت کریں گے اور اِس کی برکتیں اس سے وابستہ رہیں گی اور یقیناً اِس مقام سے تعلق رکھنے کی وجہ سے نواب صاحب مرحوم کا نام بھی قیامت تک قائم رہے گا۔

مجھے چودھری مشتاق احمد صاحب کا انگلستان سے جو خط آیا ہے اُس میں انہوں نے میری 1944ء کی ایک خواب لکھی ہے جو یہ ہے کہ میں نے رؤیا میں اُن کی بیوی کلثوم کو دیکھا کہ وہ کہہ رہی ہے کہ بابا جی اتنے بیمار ہوئے لیکن ہمیں کسی نے اطلاع تک نہیں دی۔ چودھری صاحب لکھتے ہیں کہ بالکل ایسا ہی واقعہ اِس وقت ہوا ہے۔ ہمیں اُن کی بیماری کی اطلاع تک نہیں ملی اور اب وفات کی خبر بھی صرف آپ کی طرف سے ملی ہے۔ خاندان کے کسی اَور فرد کی طرف سے نہیں ملی۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کے رشتہ داروں میں سے بھی کسی کو اُن کی بیماری کی خبر نہیں ملی۔ چودھری محمد شریف صاحب وکیل نے مجھے لکھا کہ وفات سے پہلے دن شام کے وقت ڈاکٹر آیا اور اُس نے کہا کہ خطرہ کی کوئی بات نہیں۔ چودھری عزیز احمد صاحب جو سب جج ہیں مجھے اطلاع کا خط لکھنے لگے تو والد صاحب نے منع کر دیا اور کہا کیا ضرورت ہے؟ پس خواب میں ''ہم'' سے مراد صرف کلثوم ہی نہیں تھی بلکہ سارے رشتہ دار مراد تھے۔ میں نے یہ ذکر تفصیل کے ساتھ اس لیے کیا ہے کہ تا اس قسم کے لوگوں کے نیک افعال آئندہ کے لیے بطور یادگار رہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اُذْكُرُوْا مَوْتَاكُمْ بِالْخَيْرِ ۔10 عام طور پر اس کے یہ معنے کئے جاتے ہیں کہ مُردوں کی بُرائی بیان نہیں کرنی چاہیے۔ وہ فوت ہو گئے ہیں اور اُن کا معاملہ اب خدا تعالیٰ سے ہے۔ یہ معنی اپنی جگہ درست ہیں لیکن درحقیقت اس میں ایک قومی نکتہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ آپ نے ''اُذْكُرُوا الْمَوْتٰى بِالْخَيْرِ'' نہیں فرمایا بلکہ آپ نے ''مَوْتَاكُمْ'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یعنی اپنے مُردوں کا ذکر نیکی کے ساتھ کرو جس کے معنی یہ ہیں کہ آپ نے یہ صحابہؓ کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔ دوسری جگہ آپ فرماتے ہیں اَصْحَابِیْ كَالنُّجُوْمِ بِاَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمُ اهْتَدَيْتُمْ ۔11 میرے سب صحابی ستاروں کی مانند ہیں۔ تم اُن میں سے جس کے پیچھے بھی چلو گے ہدایت پا جاؤ گے۔ کیونکہ صحابہؓ میں سے ہر ایک کو کوئی نہ کوئی خدمت کا موقع ایسا ملا ہے جس میں وہ

منفرد نظر آتا ہے۔ اسی لیے آپ نے ''مَوْتَاکُمْ'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے کہ تم ان کو ہمیشہ یاد رکھا کرو تا تمہیں یہ احساس ہو کہ ہمیں بھی اس قسم کی قربانیاں کرنی چاہییں اور تا نوجوانوں میں ہمیشہ قربانی، ایثار اور جرأت کا مادہ پیدا ہوتا رہے اور وہ اپنے بزرگ اَسلاف کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کرتے رہیں''۔ (الفضل 31 جولائی 1949ء)

---

1 : الیواقیت و الجواھر جلد 2 صفحہ 22 مطبوعہ مصر 1351ھ میں ''لَمَا'' کی جگہ ''مَا'' ہے۔

2 : تاریخ ابن اثیر جلد 2 صفحہ 327 تا 329 مطبوعہ بیروت 1965ء

3 : بخاری کتاب الاحکام باب اَلْاِسْتِخْلَافِ

4 : تاریخ الخلفاء للسیوطی صفحہ 51 مطبوعہ لاہور 1892ء

5 : تاریخ کامل ابن اثیر جلد 2 صفحہ 335 مطبوعہ بیروت 1965ء

6 : بخاری کتاب الجھاد باب دُعَاءِ النَّبِیِّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اِلَی الاسلام (الخ)
نیز مسلم کتاب فضائل الصَّحَابۃ رضی اللّٰہ عنھم باب مِنْ فضائِلِ ابی دجانۃ (الخ)

7 : سیرت ابن ھشام جلد 4 صفحہ 161 مطبوعہ مصر 1936ء

8 : پدبھیڑے: ایک قسم کی جڑی بوٹی جو برسات کے دنوں میں زمین سے نکلتی ہے۔
(پنجابی اردو لغت مرتبہ ومؤلفہ تنویر بخاری صفحہ 343 ناشر اردو سائنس بورڈ لاہور 1989ء)

9 : تذکرہ صفحہ 401۔ ایڈیشن چہارم

10 : مرقاۃ المفاتیح شرح مشکٰوۃ المصابیح جلد 6 صفحہ 271 مکتبہ امدادیہ ملتان 1968ء

11 : مشکٰوۃ باب مناقب الصحابۃ صفحہ 554 مطبوعہ دہلی 1932ء